Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 7, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com
Research Article

عامر علی
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر قیصر آفتاب احمد
اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد

ناول ''اداس نسلیں'' میں خوف کے نفسیاتی عوامل: تجزیاتی مطالعہ

Aamir Ali
PhD Scholar, Department of Urdu, Muslim Youth University, Islamabad
Dr. Qaisar Aftab Ahmed
Assistant Professor, Department of Urdu, Muslim Youth University, Islamabad

Psychological Factors Of Fear In "Udas Naslain": An Analytical Study

This article examines the psychological factors of fear in Abdullah Hussain's novel Udas Naslain. It explores fear as a significant human emotion shaped by social conditions, historical context, and individual experiences, while also highlighting the literary importance of the novel. The study analyzes key dimensions of fear, including insecurity, alienation, anxiety, fear of death, uncertainty, inferiority complex, and feelings of helplessness. It also considers irrational fears that influence characters' behavior and decisions. The analysis shows that fear in Udas Naslain functions as a deep psychological force that shapes characters' inner conflicts, thoughts, and actions. The study concludes that fear plays a central role in character development and reflects the complex relationship between individual psychology and socio-historical realities.

Key Words: Fear, Psychology, Urdu Novel, Udas Naslain, Anxiety, Insecurity, Psychological Conflict.

''اداس نسلیں'' عبداللہ حسین کا شاہکار ناول ہے۔ جس نے نہ صرف افسانوی ادب میں نئے موضوعات کا اضافہ کیا ہے کہ تا کہ اردو ادب کی روح کو تازگی اور جلا بخشی ہے۔ یہ ناول انسانی تاریخی شعور، ماحول، تہذیب و ثقافت، بدلتی تہذیبوں کے مسائل و محرکات، سماجی مسائل، نفسیاتی مسائل اور جاگیردارانہ طبقہ کی سوچ، فکری رویوں، جذبوں اور جنسی و معاشرتی شعور و جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔ ناول نگار نے اپنے عہد کے ہندوستان کی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج، دیہاتی و شہری کلچر اور ماحول کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے ماحول کے مطابق کردار تراشے ہیں تاکہ ماحول کی پیش کش میں تضاد نہ آسکے۔ بعض کرداروں کی پیش کش میں انھوں نے ماحولیاتی تبدیلیوں کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔ ناول میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ جس ماحول یا تہذیب و ثقافت کو پیش کیا جائے۔ کردار کی سوچ، زبان، لباس اور طرزِ زندگی بھی اس ماحول کے مطابق ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر اسلم آزاد رقم طراز ہیں:

''بعض واقعات سے متعلق واقعات کی پیشکش کے لیے افراد کی ضرورت ہے ہی۔ فرضی واقعات بھی افراد کے بغیر پیش نہیں کیے جا سکے۔ ناول نگار اپنے قصے میں واقعات کا جو ماحول بیان کرتا ہے۔ اس کے کردار بھی اسی ماحول سے ماخوذ ہوتے ہیں۔''(۱)

عبداللہ حسین نے ماحول کے مطابق کردار تخلیق کیے ہیں۔ نعیم کا کردار دیہاتی و شہری زندگی کی پیش کش میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ کردار ماحولی تبدیلیوں اور بدلتے انسانی رویوں کا عکاس بھی ہے۔ ''اداس نسلیں'' مختلف موضوعات سے بھرپور ناول ہے۔ کہیں جاگیردارانہ نظام کے خلاف بغاوت کا عنصر نظر آتا ہے تو کہیں انگریزی سامراج پر تنقید نظر آتی ہے۔ انگریزوں کی سوچ، فکری رویوں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ ناول نگار نے منفی، ہتھکنڈے استعمال کرنے والے افراد کے بارے میں بڑی فنی چابکدستی کے

ساتھ خامہ فرسائی کی ہے۔انھوں نے سیاست دانوں، پولیس اور جاگیرداروں پر گہرا طنز کیا ہے اور ایسے افراد کی گھٹیا سوچ اور جذبوں کو پیش کیا ہے۔ محمد عاصم بٹ لکھتے ہیں :

''عبداللہ حسین نے ناول میں استحصالی قوتوں کو مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے۔ وہ کبھی جاگیرداروں کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں تو کبھی سیاست دانوں اور کبھی سفاک پولیس کی صورت میں۔ ہر صورت میں اُن کا شکار مذہب اور نادار لوگ ہیں۔''(۲)

عبداللہ حسین نے ''اداس نسلیں'' میں برصغیر کے ایسے طبقات کو موضوع بنایا ہے۔ جو نچلے درجے کی زندگی جینے پر مجبور ہیں۔ ایسے افراد جو زندگی کی تمام آسائشوں سے محروم ہیں۔انھوں نے سامراجی قوتوں کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہونے والے افراد کی زندگی کو لفظی پیکر میں تراشا ہے۔ ایسے افراد جو سامراجی قتوں کے آگے بے بس ہو چکے تھے اور پھر اُن کو یہ ہجرت کے مسائل کا سامنا تھا،اس ناول کا حصہ ہیں۔ ناول نگار نے کمزور افراد کی سوچ، فکر اور جذبوں کو ناول میں اس طرح ڈھالا ہے کہ قاری حیران رہ جاتا ہے۔ ناول نگار کے لب و لہجہ اور انداز بیان کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ناول کی فضا میں چلتا پھرتا، ہنستا مسکراتا اور سانس لیتا محسوس کرتا ہے۔انھوں نے نسلوں کی تاریخ اور بدلتے تہذیبی ورثے اور انسانی شعور کو پیش کیا۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان کے بقول :

''اداس نسلیں فکری طور پر ایک کامیاب ناول ہے۔ عبداللہ حسین ناول کی تخلیق میں جس فکری رویے کو موضوعاتی تشخص دیا ہے،اس کا دائرہ نسلوں کی تاریخ و تہذیب کے جذباتی اور فکری تار و پور میں محض ژرفنگاہی کا وظیفہ نہیں۔اس لیے المیہ کا محاکاتی استعارہ بھی ہے۔ جو سیاسی، ثقافتی اور تہذیبی زوال اور ارتقاء کے تحت الشعوری ادراک سے ہم آمیزی کرتا ہے۔''(۳)

عبداللہ حسین کی ناول نگاری کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ وہ قصے کی معنویت کو پس پشت نہیں ڈالتے۔ ماحول کو مد نظر رکھتے ہوئے کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ زندگی کے مبہم گوشوں کو عیاں کرنے کے لیے فلفسیانہ انداز اپناتے ہیں۔ ناول کا قصہ بڑا جان دار ہے۔ مرکزی کردار نعیم جو کہ بعض پور پور کے زمین دار کا بیٹا ہے۔ وہ اپنے باپ سے نظریاتی اختلاف رکھتا ہے۔اس کی شادی عذرا سے کی جاتی ہے لیکن شادی ناکام ہو جاتی ہے۔اس کے بعد نعیم فوج میں بھرتی ہوتا ہے اور پھر مغربی طرزِ زیست کو ناول نگار بڑی فہم و فراست کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہاں ناول نگار ایلن اور نعیم کی محبت کو دکھاتا ہے۔اس کے بعد جنگ کا منظر اور پھر واپسی کا پس منظر دکھایا جاتا ہے۔ مزدوروں کی طرزِ زیست اور انگریزی سامراج کے مختلف پہلوؤں کی جنگ لڑنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ شیلا سے ملاقات کے بعد نعیم وہاں سے چلا جاتا ہے اور انگریزی بھینٹ چڑھنے سے بچ جاتا ہے۔ پشاور میں دوست سے ملنے جاتا ہے اور پھر سول نافرمانی کی تحریک میں شامل ہو جاتا ہے۔اس کے بعد اُسے جیل کی ہوا کھانا پڑتی ہے۔ نعیم کئی لڑکیوں سے عشق لڑاتا ہے اور پھر اُن کو چھوڑ دیتا ہے۔ شیلا بھی اُن لڑکیوں میں شامل ہے۔ شیلا ایک طوائف ہوتی ہے لیکن با امر مجبوری وہ اس پیشے سے منسلک ہوتی ہے۔ اب ہم ذیل میں خوف کے نفسیاتی پہلوؤں اور عوامل کا جائزہ لیں گے۔

ناول نگار نے عدم تحفظ کو بہ طور نفسی پہلو کہانی کا حصہ بنایا ہے۔اس طرح انھوں نے عوام کو سوچ، جذبات، فکر اور غصہ کے ساتھ ساتھ جنگی جنون اور بدلہ کی آگ جیسے پہلوؤں بھی پیش کیا ہے۔ تاکہ قاری اصل حقائق تک رسائی حاصل کر سکے۔ کہانی کے آغاز میں جب روشن علی خاں فرنگی کو زخمی حالت میں اپنے گھر میں لاتا ہے تو گاؤں میں یہ خبر پھیل جاتی ہے کہ جس فرنگی نے تین ہندوستانیوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا تھا وہ روشن علی خاں کے گھر میں چھپا ہوا ہے۔ تمام گاؤں والے تلواروں کے ساتھ اس کے گھر پر حملہ کر دیتے ہیں اور پھر آخری کار وہ عدم تحفظ کا شکار ہو کر بھاگ نکلتا ہے۔ لیکن اس صدمے کی وجہ سے اس کی والدہ مر جاتی ہے۔ جب گاؤں والے مکان میں داخل ہوتے ہیں تو بڑھیا کی لاش کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ روشن علی خان کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے گھر کے باہر کھڑی ہندوستانی فوج اُسے اور اس کے زخمی مہمان کو قتل کر دے گی اس وجہ سے گھر سے بھاگ جاتا ہے اور مہمان کو اس کے گھر پہنچاتا ہے۔ ناول نگار نے عدم تحفظ اور موت کے خوف کی وجہ سے روشن علی خاں کے لیے پیدا ہونے والے ذہنی و معاشی مسائل کا ذکر کیا ہے۔ دوسری طرف اس کے خوف کی بڑی وجہ عدم تحفظ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ نہیں بھاگے گا تو گاؤں کے لوگ اُس کے خاندان اور مہمان کو قتل کر دیں گے۔ اقتباس ملاحظہ ہو :

''وہ کہتا ہے کہ جب دروازہ توڑا گیا تو بہادر نوجوان نے ایک کندھے پر زخمی مہمان کو دوسرے پر اپنی بیوی کو بٹھایا اور لڑتا بھڑتا صحیح سلامت نکال لے گیا۔۔۔ یہ سلسلہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ اہلیانِ شہر پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ فرنگیوں کو فتح نصیب اور اور محاصرین کو نجات ملی۔۔۔ سربراہیوں کی رائے سے جب دروازہ کھولا گیا تو ایک بوڑھی عورت کی لاش ملی۔ یہ گھر کے مالک کی ماں تھی جو پہلے ہی مرچکی تھی۔۔۔''(۴)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناول نگار نے انسانی سوچ، فکر اور جذبہ ہمدردی کو بیان کرتے ہوئے مختلف کرداروں کی سوچ اور خوف کو پیش کیا ہے۔ عدم

تحفظ کی وجہ سے پیدا ہونے والے خوف کو بھی ملاحظہ کی جا سکتا ہے۔ روشن علی خان کو ڈر ہے کہ لوگ اُسے قتل کر دیں گے اور اس کے مہمان بھی قتل کر دیں گے۔ اس وجہ سے وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ اس کا یہی رویہ اس کے اندر پائے جانے والے ڈر اور منفی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ رویہ انسان دوستی کی عکاسی کرتا ہے۔

بعض افراد ماحول، افراد، جگہوں اور تہذیب و ثقافت سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسے افراد سے ڈرتے ہیں جو اُن کی سوچ، جذبات، فکر اور مزاج سے مختلف ہوتے ہیں۔ ناول نگار نے بھی اجنبی افراد کی وجہ سے پیدا ہونے والے خوف اور ڈر کو ناول میں پیش کیا ہے۔

ناول میں جب نعیم اپنے چچا کے ساتھ نواب محی الدین کے گھر جاتا ہے تو وہاں کا ماحول دیکھ کر کوف زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس گھر کے افراد کی سوچ، رویوں اور جذبات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ ایسے افراد سے دور رہا جائے۔ اُن کے گھر میں خود کو اجنبی محسوس کرتا ہے اور لڑکیوں سے خوف کھاتا ہے۔ وہ اُن سے اجنبیت کی وجہ سے بات نہیں کرتا۔ کیوں کہ وہ اُن کے رویوں اور طرزِ زندگی سے اجنبی ہوتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اپنے آپ کو اجنبی فضا میں پا کر نعیم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مگر جی کھول کر ہنستے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر بے تکلفی، سادگی اور برابری کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا جی چاہا کہ وہ بھی جا کر ان میں شامل ہو جائے۔۔۔ آپ تو بڑے فرض شناس افسر ہیں۔ ٹھیک ہے۔ کام دام کرتا ہی آدمی اچھا لگتا ہے۔ ہماری بھی کوئی زندگی ہے۔ انھوں نے شرارت بھری معصوم مسکراہٹ کے ساتھ کہا جو اپنے خاندانی لوگوں کا حصہ ہوتا ہے۔۔۔''(۵)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نعیم اجنبی ماحول اور گھر میں خود کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔ وہاں کے افراد کو دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اُن کے ساتھ نہیں مل پائے گا کیوں کہ وہ اُن کے لیے اجنبی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اس گھر میں داخل ہوتے ہی گھٹن اور خوف محسوس کرتا ہے۔ اس لیے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے۔ ناول نگار نے یہاں ایسے افراد کی سوچ اور جذبات کی عکاسی کی ہے جو اجنبی ماحول یا فضا میں خود کو تنہا اور کم تر سمجھ کر احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ مخصوص ماحول کے علاوہ خود کو اجنبی محسوس کرتے ہیں اور ماحول سے ڈرتے رہتے ہیں۔

آگ سے ڈرنے والے افراد ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں۔ کیوں کہ ہر انسان کسی نہ کسی بے بنیاد خوف میں مبتلا ہے۔ ناول میں کہانی کار نے یہ دکھایا ہے کہ بعض افراد آگ کے خوف سے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ جب کلدیپ کور دروازے کے سامنے سے گزرتی ہے اور وہ بھوسے میں انگارے دیکھتی ہے۔ یہ آگ بوڑھے کے حصے سے اڑ کر بھوسے میں جاتی ہے جس کی وجہ سے بھوسے کو آگ لگ جاتی ہے۔ کلدیپ کور جب اپنے خاوند کو بتاتی ہے تو وہ ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس آگ کی وجہ سے اس کا نشہ اتر گیا ہے اس لیے وہ حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ ناول نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ آگ لگنے کی وجہ سے اُن کا بھوسا جل چکا تھا۔ جس کی وجہ سے اِن کو معاشی تنگ دستی، بھوک اور افلاس کا ڈر تھا۔ اس لیے کلدیپ کور فوراً آگ بجھانے کو کہتی ہے اور پھر آگ بجھالی جاتی ہے۔ وہ جب یہ منظر دیکھتی ہے تو خوف سے وہ چیخنے لگتی ہے:

''کچھ دیر کے بعد جب ایک موٹی تازی جوان لڑکی جو گندر سنگھ کی بیوی تھی۔ دروازے کے سامنے سے گزری تو اس کے منھ سے خوف کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ہوا کے زور سے بوڑھے کی چلم میں سے چنگاریاں اڑ کر بھوسے پر جا گری تھی اور وہ جگہ جگہ سے سلگ رہا تھا۔ لڑکی نے بد حواسی کے ساتھ اپنے خاوند کی آوازیں دے کر بلایا جس نے گالیاں دیتے ہوئے بھاگ بھاگ کر پانی کی چند بالٹیاں بھوسے پر ڈالیں۔ سارا نشہ خراب کر دیا سسرے نے۔ اس واہ گرو کے دشمن کو یہاں کیوں لائے۔ وہ بڑھے سے حقہ چھینتے ہوئے بولا۔''(۶)

ایک زمیندار کے لیے بھوسہ بہت قیمتی ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس سے اپنی قیمتی جانوروں کا پیٹ پالتا ہے۔ اگر وہ قیمتی چیز ہی مل جائے تو اُسے معاشی تنگ دستی اور غربت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کلدیپ اور اس کے خاوند جب آگ بجھاتے ہیں تو اس لمحے میں اس کے خاوند کے منھ سے بے اختیار گالیاں نکلتی ہیں۔ یہاں ناول نگار نے دیہاتی لوگوں کی سوچ، خوف اور جذبات کو پیش کیا ہے۔ بھوسے کے جلنے کا خوف کس طرح مکان کو حواس باختہ کر دیتا ہے۔ اقتباس میں واضح دیکھا جا سکتا ہے۔

ناول نگار نے یہاں دیہاتی زندگی سے وابستہ افراد کی سوچ اور مسائل اور بے بنیاد خود کے عوامل کو اجاگر کیا ہے۔ آگ کے لگنے کی وجہ سے کسان کے جذبات اور رویوں میں تبدیلی ہی دراصل خوف کی اصل وجہ ہے۔ کیوں کہ اگر آگ نہ لگتی تو کسان کو بھوسے کے جلنے کا ڈر نہ ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے بھوسا جانوروں کو ڈالنا ہے۔

اگر بھوسا نہیں ہو گا تو اس کے جانور بھوک سے مریں گے۔ ناول نگار نے دیہاتی کلچر اور دیہاتی لوگوں کے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ اُن کی سوچ اور منفی و مثبت جذبات بھی اس ناول کا پیش قیمتی حصہ ہیں۔ بقول نیلم:

''ہندوستان میں اس دور میں بسنے والے مختلف طبقات کے افراد اور مختلف نظریات رکھنے والے افراد اس ناول میں نظر آتے ہیں۔ بعض مفاد پرست تو بعض وطن پرست۔ اس طرح

انھی طبقات نے جن دو بطقون کو جنم دیا ہے یعنی غریب اور جاگیر، جاگیر دار اور کسان اور جس کے باعث ایک طبقاتی کشمکش شروع ہو چکی ہے۔ اس طبقاتی کشمکش کو بھی ناول نگار نے ابھارا ہے۔"(۷)

ناول نگار کا یہ فن کمال ہے کہ انھوں نے مختلف تہذیبوں کا عکس ایک ہی جگہ پیش کیا۔ زیادہ تر انھوں نے ہندوستانی لوگوں کے مسائل، نفسیات اور خوف کا جائزہ لیا۔ انھوں نے یہاں کے لوگوں کے خیالات اور بدلتے رویوں کو موضوع بناتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ تہذیب کے بدلنے سے سوچ نہیں بدلتی۔ ابلتے ماحول کا بدل جانا فطری عمل ہے۔

اضطرابی کیفیات بھی انسان کے اندر خوف کو جنم دیتی ہیں۔ جب انسان کسی وجہ سے پریشان یا ذہنی الجھن کا شکار ہوتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈر محسوس کرتا ہے۔ اُسے لگتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اُسے نقصان پہنچائے گی۔ حالت جنگ میں نعیم بھی اضطرابی کیفیات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ موت کے ڈر سے اپنا وجودی تشخص کھو بیٹھتا ہے۔ بعض اوقات اس کے اوسطان خطا ہو جاتے ہیں۔ موت کا خوف بھی اُسے ذہنی الجھن، تناؤ، اور اضطراب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ جنگ کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہوتا ہے۔ لیکن حالات سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ وہ بزدل اور ڈرپوک نہیں ہے۔ حالاں کہ اُس کی ذہنی وجسمانی کیفیت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ موت کے خوف کی وجہ سے اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہے:

"کچھ دیر کے بعد نعیم کے پاس آ کھڑا ہوا۔ بیٹھ جاؤ۔"

نعیم کھڑا رہا۔

"لڑائی کے میدان میں عورتوں کی طرح سوال مت کرو۔ جنگ کرنے نکلے ہو تو مرنے کا انتظار کرو۔ جینے کا انتظار مت کرو۔ کیوں، کہاں، کب، کیسے، سوال بزدل بنا دیتے ہیں۔"

"غلط ہے، میں بزدل نہیں ہوں۔ ایک نامعلوم سا غصہ اُس کے دماغ میں اُبال کھانے لگتا ہے۔"(۸)

کیوں، کہاں، کب اور کیسے وغیرہ ایسے سوالات ہیں جو نعیم کی اضطراب کیفیت اور ڈر کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں موت کے خوف میں مبتلا ہو چکا ہے۔ ذرا سی بات پر اُسے غصہ آنے لگتا ہے۔ یہی رویہ اُس کی انتشاری کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ناول نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ جب انسان کسی اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آنے لگتا ہے۔ وہ خبطی بن کر بیزاری کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ دراصل اس کیفیت کے پیچھے کئی محرکات ہو سکتے ہیں لیکن نعیم کی اضطرابی کیفیت کی وجہ جنگ ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ کسی بھی لمحہ وہ موت کی آغوش میں آجائے گا۔

موت کا خوف بھی انسان کی ذہنی صلاحیتوں، سوچ اور جذبوں کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ موت یقینی امر ہے۔ لیکن انسان موت سے خوفزدہ رہتا ہے۔ موت کا خوف اس کے سر پر سائے کی طرح منڈلاتا رہتا ہے۔ جنگ میں نعیم اور ٹھاکر داس بھی موت کے خوف سے اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ٹھاکر داس کو اپنے بچوں کی فکر ہے۔ یہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کی بیوی کو دوسرا شوہر مل جائے گا لیکن بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش نہیں ہو گی۔ اُسے اپنے بچوں کے مستقبل کا خوف ہوتا ہے۔ وہ موت کے خوف کی وجہ سے اضطرابی حالت میں دیوار کی طرف منہ کر کے نعیم سے ناراضی کا اظہار کرتا ہے:

"میدانِ جنگ میں موت کی تکلیف نہیں ہوتی؟" نعیم نے تمسخر کے ساتھ پوچھا۔ نہیں شاید۔ پتہ نہیں۔ پر میں نے لوگوں کو چوہوں کی طرح مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے سگریٹ ختم کیا اور دروازے سے باہر اچھال دیا۔۔۔ میں اپنی موت سے نہیں ڈرتا لیکن میرے وہ بچے ہیں۔۔۔ عورت کو دوسرا خاوند مل جائے گا۔ پر بچے میری بیوی کو ہے خاوند سے بچہ ہے مجھے پتہ ہے میں اُسے اپنے بچے کی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ میں اپنی موت سے خوف زندہ ہوں۔" اس نے سوچا "بدبخت اس کے دل میں کیا ہے۔"(۹)

ناول نگار نے دورانِ جنگ فوجیوں کی سوچ اور موت سے بھرپور جذبوں اور خیالات کو پیش کیا ہے۔ فوجی کو دورانِ جنگ ہر لمحہ موت نظر آتی ہے۔ جب نعیم جنگ لڑنے کے لیے جاتا ہے تو اُسے ہر لمحہ خوف آتا ہے۔ کہیں دلدل میں ھنس جانے کا خوف تو کہیں سانپ کے کاٹنے کا خوف، فوجی بیماری اور سانپ کے کاٹنے سے جب مرنے لگتے ہیں تو زندہ بچ جانے والے فوجیوں کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ وہ سہم جاتے ہیں اور موت کا خوف اُن کے سروں پر بھی نہیں بل کہ اعصاب پر بھی سوار ہو جاتا ہے:

"کون مر گیا ہے؟ وہ قریب آ کر اس نے خوف زدہ، سرخ آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔۔۔ بڈھے نے جپٹ کر نالی اس کے ہاتھ سے چھینی اور کمر پر ہاتھ مار کر غصے سے اس کو باری باری دیکھنے لگا۔۔۔ جب بھی یونٹ کا کوئی سپاہی بیمار ہو کر سانپ کے لیے ڈسنے سے یا درندوں کے ہاتھوں مرتا تو وہ دیر تک جاگتے رہتے۔"(۱۰)

شیلا جب بیمار ہوتی ہے تو وہ نعیم کے ساتھ لیٹ جاتی ہے۔ اس کے جسم کی گرمی سے نعیم کے جذبات ابھر جاتے ہیں۔ وہ اسے چھاتی سے لگاتا ہے اور پھر شیلا اسے ریچھ کے متعلق بتاتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ ریچھ کے ڈر کی وجہ سے اُسے بخار ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اُسے بارود سے اڑانا چاہتی تھی لیکن دوسرے افراد کے مرنے کا ڈر اُسے ذہنی طور پر مفلوج کر دیتا ہے۔ ناول نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ جنگ ہو یا امن ہو جنسی جذبات اور جنسی گھٹن انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ جنگ کے دوران انسان کی کیفیت البتہ دیگر دنوں سے الگ ہوتی ہے لیکن جذبات کبھی بھی مجروح نہی ہوتی۔ شیلا نعیم کے ساتھ جنسی تعلق کی خاطر اس کے ساتھ لیٹتی ہے لیکن موت کے خوف کی وجہ سے اُسے بخار ہو جاتا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ کسی بھی لمحہ گولی آئے گی اور اُن کے سینے کو چیرتی ہوئی اَن دیکھی سمت کو نکل جائے گی۔

"خاموشی سے اس کے برابر لیٹ کر اس نے اُسے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے احسان مندی کے جذبے سے اس کے سر اور ماتھے کو چوما۔ وہ بلی کے بچے کی طرح اس کی سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔۔۔ نعیم نے انتہائی تکلیف دہ احساس کے ساتھ ایک بازو کے پورے زور سے اُسے بھینچا۔۔۔ آج وہ تمہیں مار دیتے تو؟"

"تو کیا تھا؟ وہ اُس کے سینے سے چمٹ گئی۔ میں اُسے مار دیتی۔۔۔ پر زیادہ تو وہ مرتا۔ بارود اس کے سر کے نیچے ہوتا ہے۔"(۱۱)

مندرجہ بالا اقتباس میں عورت کے جنسی شعور، جذبہ اور موت کے خوف کو دیکھا جا سکتا ہے۔ موت کے خوف کی وجہ سے ہونے والی اس کی اضطرابی کیفیت اور اس کے نتیجے میں اس کی صحت پر پڑنے والے اثرات کو بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف نعیم کے جنسی شعور اور ذہنی انتشاری اور جذبات کی جھلک کو واضح نظر آتی ہے۔ ناول نگار نے موت کے خوف کی وجہ سے بدلتے انسانی رویوں کی عمدہ عکاسی کی ہے۔

بے یقینی اور اضطرابی کیفیت کو ناول نگار نے واقعات اور حالات کے مطابق پیش کیا ہے۔ ناول نگار نے مختلف موقعوں اور جگہوں پر انسانی بے یقینی اور اضطرابی کیفیت کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے یہ واضح کیا ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہے۔ کوئی جوانی کی لذتوں کے چھن جانے سے ڈر رہا ہے تو کوئی مستقبل کی بے یقینی کی وجہ سے اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہے۔ مستقبل کی بے یقینی بھی انسان کے اندر خوف پیدا کرتی ہے۔ ناول نگار نے روشن آغا کی اضطرابی کیفیت اور ڈر کو برے منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ روشن آغا کو بیماری کا خوف ہے اور اُسے مستقبل کی بھی فکر ستائے رکھتی ہے۔ اُسے اپنی گرتی صحت کی فکر ہے:

"لیکن ڈاکٹر۔ پہلے بھی میرے دو بچے ہو چکے ہیں۔ یہ حالت میری کبھی نہیں ہوئی۔ انھوں نے ایک تھکی ہوئی سانس چھوڑی۔ شاید میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔"(۱۲)

مندرجہ بالا اقتباس کے آخری جملہ روشن آغا کے اندر پائے جانے والے خوف کی نشاندہی کرتا ہے۔ روشن آغا کو بڑھاپے کا خوف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی جسمانی حالت کافی بدل چکی اور وہ بوڑھا ہو رہا ہے لیکن وہ اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہے۔ اُسے گرتی صحت کا خوف نفسیاتی الجھن میں مبتلا کرتا نظر آتا ہے۔

نعیم کو جب گرفتار کر لیا جاتا ہے تو اس کے دماغ میں احساسِ کمتری کا جذبہ جنم لیتا ہے۔ اسی احساس کی وجہ سے وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے اور ڈسپنسر کو مارنے کی وجہ سے وہ نعیم کو ڈراتا ہے۔ نعیم بے بسی کے عالم میں احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور خوف زندہ ہو کر سلاخوں کے پیچھے عافیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کی یہ حالت دراصل اس کے رویے اور تقریر کی وجہ سے تھا۔ اس کی بے بسی اور لاچاری اُسے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ خوف زدہ ہو کر زندگی کی معنویت سے باغی ہو جاتا ہے۔ قیدیوں کی مدد کی وجہ سے اس کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اُسے علم تھا کہ اُس کے منفی رویے اور غصے کی سزا اُسے ضرور ملے گی اس لیے وہ انجام سے خوف زدہ تھا۔ دوسری طرف وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے ضرور ملے گی۔ اس لیے اپنی بے بسی کی وجہ سے احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور خوف میں مبتلا ہو کر قیدی سے رحم کی بھیک مانگتا ہے:

"پھر تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ وارڈ اور ڈسپنسر نے کہا۔ "مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی سزا ملے گی تم کو کتے کے بچے۔۔۔" نعیم کا دل چاہا کہ دروازے کی سلاخوں کو چبا ڈالے لیکن جب وہ چلا گیا تو وہ دفعتاً اپنی پیش قدمی اور اس کے دوسرے شخص کی شدید بے حسی پر دل میں خوف زدہ ہو گیا۔۔۔ مجھے مت مارنا میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔۔۔ اس کا چہرہ بھی دیکھنے والے میں تنفر اور ناگواری پیدا کرتا تھا کبھی خوب صورت رہا ہوتا ہے۔ پہلے تمہارے ماں باپ اور بیوی بچے اور زمینیں آزاد ہوں گی۔ پھر جب تمہاری سزا ختم ہو جائے گی تو بھی آزاد ہو جاؤ گے۔"(۱۳)

جیل یاترا کے بعد جب نعیم کو رہائی ملتی ہے تو عذرا اُسے اپنے سینے سے لگاتی ہے۔ وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ابھرے ہوئے سینے پر رکھتی ہے اور اُسے ماضی یاد دلاتی ہے۔ جب یہ باتیں عذرا کے منھ سے سنتا ہے تو لمحہ بھر اس کے اندر احساسِ کمتری پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خوف میں مبتلا ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کا بے پیرہن جسم اس کے لیے بے معنی اور حسن سے عاری ہو جاتا ہے۔ عورت کا تمام حسن اُس کو محض فریب نظر آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ عورت کو محض جنسی شہوت کا خیال ہوتا ہے۔ اس لمحے میں عذرا کو ایسی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں جو اس کے لیے تکلیف دہ ہوں۔ وہ عذرا کے جذبات کو مجروح کرتا ہے اور اُس سے علاحدہ ہو کر باہر چلا جاتا ہے۔

ناول نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ جب انسان احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے تو کائنات کا حسن ہو یا عورت کا جلوہ اُسے بے معنی لگتا ہے۔ ماضی کے تکلیف دہ واقعات اور حالات نے اس کے اندر غصے جیسی بدعت کو جنم دیا اور وہ احساسِ کمتری کے خوف میں مبتلا ہو گیا:

''عافیت اور تبدیلی کے اس لمحے میں اس کے دل میں ساتھ لیٹی ہوئی عورت کے لیے شدید تنفر پیدا ہوا۔ اس کا جسم ایک دھچکے، مسلسل ارتعاش کی حالت میں تھا۔ میکانکی طور پر اس نے گردن موڑی اور بے شرمی سے ابھری ہوئی چھاتیوں اور موٹے شہوانی ہونٹوں کو دیکھا۔۔۔ پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ نعیم کی ایک ٹانگ تیزی سے کپکپا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے جذبات کے ابال پر قابو پو لیا۔ تمہاری وجہ سے میدان جنگ میں، میں نے ایک ساتھی کو قتل کیا تھا۔ تمہیں پتا ہے؟۔۔۔ میں نے غلطی کی۔ تم قابل نفرت ہو۔ عذرا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔''(۱۴)

مندرجہ بالا اقتباس میں عذرا کے جنسی جذبات کی بے بسی، لاچاری اور اضطرابی کیفیات کو باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ ناول نگار نے اُن کے ذہن انتشار اور ذہنی الجھاؤ کی یعنی عورت کو بہ طور ثبوت پیش کیا ہے۔ ناول نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ اُس کے ذہنی الجھاؤ اور احساسِ کمتری کی بارات تھی اس لیے وہ کسی بھی صورت عورت کے حسن سے متاثر نہیں ہو سکتا تھا۔

بے بسی اور لاچاری بھی خوف جیسے جذبات کو جنم دیتی ہے۔ جب انسان کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی کے ہاتھوں مجبور ہو چکا ہے یا وہ آگے نہیں بڑھ پائے گا تو وہ بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے۔ بے بسی کا خوف اس میں ڈپریشن کو جنم دیتا ہے۔ عالم بے بسی میں انسان احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور اُسے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کی زندگی کا وجود بے معنی ہو چکا ہے اور اس کی زندگی جلد ختم ہو جائے گی۔ اگر عورت کے جذبات اور بے بسی کی بات کی جائے تو وہ بھی محبت اور جنس کے جذبہ سے جلد جھک جاتی ہے۔ لاچاری میں اس کے جذبات مجروح ہو جاتے ہیں۔ اس کی کیفیت، اس کے جذبات کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ کائنات کی رنگینی اور فلسفہ حیات امن فریب ہے۔ وہ دوسروں کے رحم و کرم پر جینے کی وجہ سے خوف محسوس کرتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''مسلسل بارش نے اس کے حواس کو بند کر دیا تھا اور وہ بیزار ہو چکی تھی۔ نمدار ہوا اس کے سرد بے جان چہرے سے ٹکرا رہی تھی اور اسٹول پر پاؤں لٹکائے، دریچے کے پتھر پر دونوں کہنیاں رکھ کر بیٹھی وہ اتنی بے حس اور کاہل ہو گئی تھی کہ اٹھ بھی نہ سکتی تھی۔ اس نے گیلے، منجمد، چہرے کو چھونا چاہا۔ مگر ہاتھ اٹھانے کا ارادہ نہ کر سکی۔۔۔ چھوٹے چھوٹے میکارم لایعنی خیال آپ سے آتے اور جاتے رہے۔ اندھیرے میں اس کا وجود اور احساس دونوں معدوم ہو گئے۔''(۱۵)

مندرجہ بالا اقتباس میں ایک عورت کی بے بسی اور لاچاری، ذہنی وجسمانی اور خوف کو باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ ناول نگار نے خوف کی شکار عورت کی بے بسی، لاچاری اور ڈر کو بڑی نپے تلے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ناول نگار نے انسانی لاچاری کو لفظی پیکر میں تراش کر عورت کی بے بسی کو اجاگر کیا ہے۔

عدم اطمینان اور بے بنیاد خوف بھی انسانی شخصیت، سوچ، فکر، جذبات اور رویوں کو متاثر کرتا ہے۔ بے بنیاد خوف میں مبتلا شخص کسی بھی لمحہ زندگی کی رونق سے بیزار ہو سکتا ہے یعنی ہر شخص کسی نہ کسی بے بنیاد خوف میں مبتلا ہوتا ہے۔ کوئی سورج سے ڈرتا ہے تو کسی کو چاند سے خوف آتا ہے۔ کوئی اندھیرے سے ڈرتا ہے تو کوئی روشنی سے ڈرتا ہے۔ ناول نگار نے نعیم اور عذرا کے بے بنیاد خوف اور عدم اطمینان اور اضطرابی کیفیت کو اجاگر کیا ہے۔ جب وہ ایک ساتھ ہوتے ہیں تو زوردار آسمانی بجلی کے چمکنے سے نعیم ڈر جاتا ہے۔ دراصل اسٹراپوفوبیا (Istraphobia) کا شکار تھا۔ وہ لمحہ بھر اس روشنی اور خوف کو برداشت نہ کر سکا لیکن اس کے باوجود عذرا کو اسی آسمانی بجلی کا ذرا بھی خوف نہ تھا۔ اس کو تو صرف اور صرف نعیم کے جدا ہونے کا ڈر تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر نعیم اس سے جدا ہو گیا تو اس کی زندگی بے معنی اور بے رونق ہو جائے گی۔ اس لیے اندھیرے اور آسمانی بجلی سے بڑا خوف اس کے لیے جدائی کا خوف تھا۔

مثال ملاحظہ ہو:

''اچھا! اچھا! نعیم کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے زیر لب دہرایا۔ برسوں کی مدفون زنگ آلود خواہشات، زندہ ہو رہی تھیں اور نعیم کے الفاظ اس کے ذہن پر شور مچا رہے تھے۔۔۔ لیکن جذبات کے تہلکے میں اس نے یہ بھی سوچا کہ ان باتوں کے لیے اب وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ کہیں قریب ہی خوف ناک دھماکے سے بجلی گری۔ نعیم چونک کر اٹھ بیٹھا۔۔۔ محض نعیم کو کھو دینے کے ڈر سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے بیٹھی رہی۔۔۔ عذرا میں تنگ آ چکا ہوں۔ میں باہر جانا چاہتا ہوں۔ برسوں کی جسمانی اور روحانی اذیت ٹوٹ کر رونے لگا ایک مغرور اور لاچار بڑھے کی طرح مور د نہیں سکتا لیکن زندگی کی انتہائی بے بسی پر پہنچ کر آنسو بھونڈے پن سے بند ہوتے حلق سے نکلتی ہوئی مختصر جھٹکے دار آواز کے ہمراہ آنے لگتے ہیں۔''(۱۶)

ناول نگار نے دراصل انسانی نفسیات، بے بسی لاچار اور جنسی جذبات کے محرک بیان کیے ہیں۔ نعیم کی بے بسی دراصل اس کے ماضی کے رویوں کی جیت تھی۔ وہ مرنے سے قبل عذرا سے معافی مانگتا ہے اور اس کو محبت دینا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے جسم میں وہ طاقت اور جذبہ باقی نہیں رہتا۔ اس لیے وہ مایوسی اور لاچاری کے عالم میں دنیا سے ایسے جاتا ہے جیسے دنیا باغ سے خوشبو۔

ناول نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ انسان تمام عمر کسی نہ کسی پریشانی یا خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ عذرا سے محبت نہ کرنا اور پھر اس کی محبت کا احترام نہ کرنا دراصل نعیم کے باغیانہ طرزِ زیست کی عکاسی کرتا ہے۔ میدانِ جنگ میں ایک عورت کے ذکر کی وجہ سے وہ اپنے دوست کو مار دیتا ہے۔ اس کی اس ذہنی الجھن کی وجہ اس کا ماحول اور تربیت تھی۔ سب سے پہلے وہ جب نواب محی الدین کے گھر جاتا ہے تو اُسے اجنبیت کا خوف ہوتا ہے اور وہیں سے وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر جنگ کے دورانِ پیش آنے والے واقعات اور حالات اُس کے ذہن کو بری طرح متاثر کرتے ہین۔ اس کے رویے میں تبدیلی کا امکان پیدا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ناول نگار نے ایک باغیانہ سوچ کے حامل کردار کے ذریعے ہندوستانی معاشرے کی عکاسی کی ہے۔

لوگ جب گاؤں میں کسی شخص کی لاش پڑی دیکھتے ہیں تو ان کے اندر گرفتاری کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گاؤں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں:

''ایک کونے میں ایک خاموش معاہدے کے تحت، لوگوں نے ذرا سی جگہ خالی چھوڑ رکھی تھی جہاں پر ات بھر مائیں اپنے بچوں کی اور اپنی حاجت رفع کرتی رہتی تھیں۔ پاس ہی گندگی میں لتھڑی ہوئی ایک انسانی لاش پڑی سڑ رہی تھی۔

یہ۔۔۔ایک کسان نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''کوئی کہہ رہا تھا دو ہفتے سے یہاں پڑی ہے۔''

یعنی ہم۔۔۔رات بھر۔۔۔خوف اور کراہت کے مارے اس ساتھی کی آواز بند ہو گئی تھی۔

لوگ ڈرے ہوئے مویشیوں کی طرح بلاک چھوڑنے لگے۔''(۱۷)

مندرجہ بالا اقتباس میں انسانی خوف، ڈر، بے بسی، لاچاری اور ذہنی انتشار کو دیکھ اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ناول نگار نے یہاں انسانی اور اجتماعی خوف اور اس کے محرک کو پیش کیا ہے۔ کئی دنوں سے پڑی لاش کو دفنانے کے بجائے لوگ اس سے خوفزدہ ہیں۔ دراصل یہ معاشرتی المیہ ہے لوگ تماشائی بن کر انسانی تذلیل سے حظ اٹھانے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہ حسین نے ''اداس نسلیں'' میں انسانی تاریخ کے مختلف پہلوؤں، بدلتی تہذیب کے محرکات، مختلف تہذیبوں کا جائزہ، انسانی مسائل، نفسیاتی شعور، جنسی شعور اور اس کے محرکات، نفسیاتی خوف اور اس کے عوامل، رسم و رواج اور انسانی سوچ اور لاشعور میں چھپے تاریخی گوشوں کو عیاں کیا ہے۔ انھوں نے انسانی بے بسی و لاچاری، بے یقینی، عدم اطمینان اور موت کے ڈر سے پیدا ہونے والے ذہنی انتشار، ڈر اور خوف کے محرکات و مضمرات اُجاگر کیے ہیں۔

مختصر یہ کہ ''اداس نسلیں'' ہندوستانی معاشرے کی عمدہ تصویر پیش کرتا ہے۔ ناول میں ہر موضوع زندگی اپنی تمام تر آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کرداروں کی نفسیاتی الجھن اور اس کے محرکات کی وجہ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ ناول تاریخی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی پہلوؤں سے بھرپور مضامین کی عکاسی کرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ اسلم آزاد، ڈاکٹر۔ اردو ناول آزاد کے بعد۔ کب ٹاک لاہور۔ 2014ء۔ ص16

2۔ محمد عاصم بٹ۔ عبداللہ حسین فن اور شخصیت۔ اکادمی ادبیات اسلام آباد۔ 2006ء۔ ص101

3۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر۔ آزادی کے بعد اردو ناول۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔ 1992ء۔ ص171

4۔ عبداللہ حسین۔ اداس نسلیں۔ اردو پبلشرز دہلی۔ اکتوبر 1982ء۔ ص10

5۔ ایضاً، ص19

6۔ ایضاً، ص101

7۔ نیلم۔ اداس نسلیں تنقیدی جائزہ۔ (تحقیقی مقالہ برائے ایم اے اردو)۔ شعبہ اردو جامع پشاور۔ 2006ء۔ ص42

8۔ عبداللہ حسین۔ اداس نسلیں۔ ص158

9۔ ایضاً، ص160

10۔ ایضاً، ص200۔212

11۔ ایضاً، ص202

12۔ ایضاً، ص403

13۔ ایضاً، ص450۔451

14۔ ایضاً، ص511۔512

15۔ ایضاً، ص600

16۔ ایضاً، ص498۔499

17۔ ایضاً، ص850